اردو شاعروں کا انتخابی سلسلہ

اختر شیرانی

ناشر

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

تعارف

جدید اردو شاعری میں اردو کی قدیم روایات کے احساس کے ساتھ فکر و فن کے نئے رنگ و آہنگ کی بھی جلوہ گری ہے۔ اس شاعری میں موجودہ دور کے سوز و گداز اور اس کی بصیرت و مسرت دونوں کا سامان ملتا ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند نے ان انتخابات کی اشاعت کا سلسلہ اس وجہ سے شروع کیا ہے کہ وہ لوگ جو کسی مجبوری کی بنا پر کسی شاعر کا سارا کلام نہیں پڑھ سکتے اس شاعر کے رنگ سے متعارف ہو جائیں اور انھیں اس کے تفصیلی مطالعہ کی خواہش پیدا ہو۔

کوشش کی گئی ہے کہ اس سلسلے میں موجودہ دور کے سارے اہم اور قابلِ ذکر شعرا آ جائیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ سلسلہ مقبول ہوگا۔

آل احمد سرور

اختر شیرانی

(انتخاب کلام اختر شیرانی)

ناشر

انجمن ترقّی اُردو (ہند)، علی گڑھ

فہرست

ایک بار دیکھا...

تمہیں ستاروں نے بے اختیار دیکھا ہے

شریر چاند نے بھی بار بار دیکھا ہے

کبھی چمن میں گئی ہو، تو مست پھولوں نے

نگاہِ شوق سے آئینہ وار دیکھا ہے

روپہلی چاندنی نے رات کو کھُلے چھت پر

ادا سے سوتے ہوئے بار بار دیکھا ہے

بہارِ صبح کی رنگینیوں میں کھوئے ہوئے

نسیم نے تمہیں مستانہ وار دیکھا ہے

سنہری دھوپ کی کرنوں نے بام پر تم کو
بکھرے گیسوئے مشکیں بہار دیکھا ہے

قریب شام تمھیں طائرانِ گلشن نے
ہزار بار سرِ لالہ زار دیکھا ہے

بہشت حسن کی تازہ کلی کے دھوکے میں
کلی نے بھی تمھیں، دیوانہ وار دیکھا ہے

سنہرے پانی میں چاندی سے پاؤں لٹکائے
شفق نے تم کو سرِ جوئبار دیکھا ہے

ہمیشہ رات کو محوِ مطالعہ تم کو
نگاہِ شمع نے پروانہ وار دیکھا ہے

کبھی جو اٹھی ہو گیسو سنوارنے کے لئے
تو آئینے نے تمھیں ہم کنار دیکھا ہے

کسی خیال میں کھوئے ہوئے ہمیشہ تمھیں
سحر نے محوِ گل و شاخسار دیکھا ہے
تمھاری خلوتِ معصوم نے ہزاروں بار
سراپا تو تمھیں نغمہ بار دیکھا ہے
گھٹا نے دامنِ کہسار میں تمھیں اکثر
اسیرِ زمزمۂ آبشار دیکھا ہے
عروسِ برق نے اپنا نقاب الٹ کے تمھیں
غریقِ مستیٔ ابرِ بہار دیکھا ہے
نسیمِ باغ نے زیب النسا سمجھ کے کبھی
تمھیں بہ گل کدۂ شالامار دیکھا ہے
غرض مظاہرِ فطرت نے ہر طرح تم کو
ہزار بار نہیں، لاکھ بار دیکھا ہے

مگر مری نگہِ شوق کو شکایت ہے

کہ اُس نے تم کو فقط ایک بار دیکھا ہے

دکھا دو ایک جھلک اور بس نگاہوں کو

دوبارہ دیکھنے کی ہے ہوس نگاہوں کو

اے عشق کہیں لے چل

اے عشق کہیں لے چل، اس پاپ کی بستی سے
نفرت گہِ عالم سے، لعنت گہِ ہستی سے
اِن نفس پرستوں سے، اِس نفس پرستی سے

دور۔۔۔ اور کہیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

ہم پریم پجاری ہیں تو پریم کنہیّا ہے..!
تو پریم کنہیّا ہے، یہ پریم کی نیّا ہے
یہ پریم کی نیّا ہے، تو اس کا کھویّا ہے

کچھ فکر نہیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

بے رحم زمانے کو اب چھوڑ رہے ہیں ہم
بے درد عزیزوں سے منھ موڑ رہے ہیں ہم
جو آس کی تھی وہ بھی اب توڑ رہے ہیں ہم

بس تاب نہیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

یہ جبر کدہ آزاد افکار کا دشمن ہے
ارمانوں کا قاتل ہے امیدوں کا رہزن ہے
جذبات کا مقتل ہے، جذبات کا مدفن ہے

چل یاں سے کہیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

آپس میں چھل اور دھوکے سنسار کی ریتیں ہیں
اس پاپ کی نگری میں اجڑی سی پریتیں ہیں
یاں نیائے کی ہاریں ہیں، اَن نیائے کی جیتیں ہیں

سکھ چین نہیں، لے چل
اے عشق کہیں لے چل

یہ درد بھری دنیا بستی ہے گناہوں کی
دل چاک امیدوں کی، سفّاک نگاہوں کی
ظلموں کی، جفاؤں کی، آہوں کی کراہوں کی

ہیں غم سے حزیں، لے چل
اے عشق کہیں لے چل

آنکھوں میں سمائی ہے اک خواب نما دنیا
تاروں کی طرح روشن، مہتاب نما دنیا

جنت کی طرح رنگیں، شاداب نما دنیا

للّٰلہ وہیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

قدرت ہو حمایت پر، ہمدرد ہو قسمت بھی
سلمٰی بھی ہو پہلو میں سلمٰی کی محبت بھی
ہر شے سے فراغت ہو اور تیری عنایت بھی

اے طفلِ حسیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

اے عشق ہمیں لے چل اک نور کی وادی میں
اک خواب کی دنیا میں، اک طور کی وادی میں
حوروں کے خیالاتِ مسرور کی وادی میں

تا خلد بریں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

مغرب کی ہواؤں سے آواز سی آتی ہے
اور ہم کو سمندر کے اُس پار بلاتی ہے
شاید کوئی تنہائی کا دیس بتاتی ہے

چل، اس کے قریں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

اک ایسی فضا جس تک غم کی نہ رسائی ہو
دنیا کی ہوا جس میں صدیوں سے نہ آئی ہو
اے عشق! جہاں تو ہو اور تیری خدائی ہو

اے عشق وہیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

اک ایسی جگہ جس میں انسان نہ بستے ہوں
یہ مکر و جفا پیشہ حیوان نہ بستے ہوں
انساں کی قبا میں یہ شیطان نہ بستے ہوں

تو خوف نہیں، لے چل
اے عشق کہیں لے چل

ان چاند ستاروں کے بکھرے ہوئے شہروں میں
ان نور کی کرنوں میں ٹھہری ہوئی لہروں میں
ٹھہری ہوئی لہروں میں سوئی ہوئی نہروں میں

اے خضر حسیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

اک ایسی بہشت آئیں وادی میں پہنچ جائیں

جس میں کبھی دنیا کے غم دل کو نہ تڑپائیں
اور جس کی بہاروں میں جینے کے مزے آئیں

لے چل، تو وہیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

آج کی رات

کتنی شاداب ہے دنیا کی فضا آج کی رات
کتنی سرشار ہے گلشن کی ہوا آج کی رات
کتنی فیاض ہے رحمت کی گھٹا آج کی رات
کس قدر خوش ہے خدائی سے خلا آج کی رات
کہ نظر آئے گی وہ ماہ لقا آج کی رات

غائبانہ جو ہمیں نامے لکھا کرتی تھی
دور سے ہم پہ دل اپنا جو فدا کرتی تھی
دادِ اشعار جو "گمنام" دیا کرتی تھی

ہو کے بے پردہ جو پردے میں رہا کرتی تھی

سامنے ہوگی وہی شوخ ادا آج کی رات

داستانِ دلِ بے تاب سنائیں گے اُنھیں

آپ روئیں گے، گلے مل کے رلائیں گے انھیں

خود ہی پھر رونے پہ ہنس دیں گے، ہنسائیں گے انھیں

اور جرأت کی تو سینے سے لگائیں گے انھیں

نت نئے جذبوں کی ہے نشوونما آج کی رات

واقفِ دردِ دلِ زار کریں گے اُن کو

غمِ الفت سے خبردار کریں گے اُن کو

محرمِ جذبۂ اسرار کریں گے اُن کو

گود میں لیں گے اُنھیں، پیار کریں گے اُن کو

دل کی رگ رگ سے یہ آتی ہے صدا آج کی رات

لیکن اظہارِ خیالات کریں گے کیوں کر
شرم آتی ہے، ملاقات کریں گے کیوں کر
بات کرنی ہے مگر بات کریں گے کیوں کر
ختم یہ خواب کی سی رات کریں گے کیوں کر
آہ یہ آج کی! یہ خواب نما آج کی رات

اے دل ایسا نہ ہو کچھ بات بنائے نہ بنے
حالِ دل جو بھی سنانا ہے، سنائے نہ بنے
پاس آئیں تو مگر پاس بٹھائے نہ بنے
شرم کے مارے انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے
کہ تصور سے بھی آتی ہے حیا آج کی رات

یوں تو ہر طرح ادب مدِ نظر رکھنا ہے
حسرتِ دل کا لحاظ آج، مگر رکھنا ہے

بے خودی! دیکھ تجھے میری خبر رکھنا ہے
نازنیں قدموں پہ یوں ناز سے سر رکھنا ہے
کہ تڑپ اُٹھے دلِ ارض و سما آج کی رات

ہم میں کچھ جرأت گویائی بھی ہو گی کہ نہیں
ہمّتِ ناصیہ فرسائی بھی ہو گی کہ نہیں؟
شرم سے دور شکیبائی بھی ہو گی کہ نہیں
یوسف دل سے "زلیخائی" بھی ہو گی کہ نہیں
آج کی رات! اُف او میرے خدا آج کی رات

اعترافِ محبت

لو آؤ کہ رازِ پنہاں کو رسوائے حکایت کرتا ہوں

دامانِ زبانِ خامشی کو لبریز شکایت کرتا ہوں

گھبرا کے ہجومِ غم سے آج افشائے حقیقت کرتا ہوں

اظہار کی جرأت کرتا ہوں

میں تم سے محبت کرتا ہوں

فکر آباد دنیا میں مری، اک مسجودِ افکار ہو تم !

شعرستانِ ہستی میں مری، اک معبودِ اشعار ہو تم!
اور میرے پرستش زارِ دل میں اک بُت شیریں کار ہو تم!

میں جس کی عبادت کرتا ہوں
میں تم سے محبت کرتا ہوں

مدت سے محبت کرتا تھا، سو جان سے تم پر مرتا تھا
راتوں کو میں روتا رہتا تھا، راتوں کو میں آہیں بھرتا تھا
ہاں راتوں کو آہیں بھرتا تھا، پر تم سے کہتے ڈرتا تھا
آج اس کی جسارت کرتا ہوں
میں تم سے محبت کرتا ہوں

تم چاند سے بڑھ کر روشن ہو، زہرہ کی قسم تاروں کی قسم!
تم پھول سے بڑھ کر رنگین ہو، فطرت کے چمن زاروں کی قسم
تم سب سے حسیں ہو دنیا کی، دنیا کے نظاروں کی قسم

دنیا سے بھی نفرت کرتا ہوں
میں تم سے محبت کرتا ہوں

اس مکر کی دنیا میں کہ جہاں معیارِ صداقت کچھ بھی نہیں
دو "اشکوں" سے بڑھ کر سچّا اور اظہارِ محبت کچھ بھی نہیں
روتا ہوں تمھاری یاد میں گو رونے کی شہادت کچھ بھی نہیں
پیش اتنی شہادت کرتا ہوں
میں تم سے محبت کرتا ہوں

جب رات کی بیکس تنہائی میں، آپ کو تنہا پاتا ہوں!
میں بربطِ دل سے سوز و گداز عشق کے نغمے گاتا ہوں
اتنا تو بتادو تم بھی مجھے، کیا میں بھی کبھی یاد آتا ہوں
بتلاؤ کہ منّت کرتا ہوں!
میں تم سے محبت کرتا ہوں!

گر حکم دو روشن تاروں کو میں لا کے جھکا دوں قدموں پر

جنّت کے شگفتہ پھولوں کی جنت سی بسا دوں قدموں پر

سجدہ گہ مہر و ماہ کو بھی سجدے میں گرا دوں قدموں پر

ناچیز ہوں ہمت کرتا ہوں

میں تم سے محبت کرتا ہوں

ایک شاعرہ کی شادی پر

جس کو دعویٰ تھا کہ وہ دنیا میں صرف
شاعرانہ زندگی گزارنے آئی ہے

اے کہ تھا اُنس تجھے عشق کے افسانوں سے
زندگانی تری آباد تھی رومانوں سے
شعر کی گود میں پلتی تھی جوانی تیری
تیرے شعروں سے ابلتی تھی جوانی تیری
رشکِ فردوس تھا ہر حسن بھرا خواب ترا
ایک پامال کھلونا تھا یہ مہتاب ترا

نکہتِ شعر سے مہکی ہوئی رہتی تھی سدا
نشۂ فکر میں بہکی ہوئی رہتی تھی سدا
شرکتِ غیر سے بیگانہ تھے نغمے تیرے
عصمتِ حور کا افسانہ تھے نغمے تیرے
غائب از چشم تھی جنت کی بہاروں کی طرح
دست انساں سے تھی محفوظ ستاروں کی طرح
صبح کی طرح سے دوشیزہ تھی ہستی تیری
بوئے گل کی طرح پاکیزہ تھی ہستی تیری
دردِ شعری کے تاثّر سے تو مغموم تھی تو
آسماں کا مگر اک غنچۂ معصوم تھی تو
موجِ کوثر کا چھلکتا ہوا پیمانہ تھی
غیر ہونٹوں کے تصور سے بھی بیگانہ تھی

اب گوارا ہوئی کیوں غیر کی صحبت تجھ کو؟

کیوں پسند آگئی ناجنس کی شرکت تجھ کو؟

اوجِ تقدیس کو پستی کی ادا بھا گئی کیوں؟

تیری تنہائی کی جنت پہ خزاں چھا گئی کیوں؟

شعر در مان کے وہ خواب کہاں ہیں تیرے؟

وہ نقوشِ گل و مہتاب کہاں ہیں تیرے؟

کون سی طُرفہ ادا بھا گئی اس دنیا میں؟

خلد کو چھوڑ کے کیوں آ گئی اس دنیا میں؟

ہو گئی عام تو نورِ مہ تاباں کی طرح!

آہ! کیوں جل نہ بجھی شمع شبستاں کی طرح؟

ہوس آلودہ ہوئی پاک جوانی تیری!

غیر کی رات ہے اب، اور کہانی تیری!

کس کو معلوم تھا تو اس قدر ارزاں ہو گی!
زینتِ محفل و پامالِ شبستاں ہو گی!

تیرگی حرص کی حوروں کو بھی بہکا ہی گئی
تیرے بستر پہ بھی آخر کو شکن آ ہی گئی!

اب نہیں تجھ میں وہ حوروں کی سی عفّت باقی
حور تھی تجھ میں گئی، رہ گئی عورت باقی!

ہاں وہ عورت جسے بچّوں کا فسانہ کہیئے
بر بطِ نفس کا اک فحش ترانہ کہیئے

جس میں ہے زہر عفونت کا وہ پیمانہ کہیں
اک گناہوں کا بھبھکتا ہوا میخانہ کہیں

سوگوار اپنی جواں موت کا ہونے دے مجھے
مسکرا تو، مگر اس حال پہ رونے دے مجھے

بستی کی لڑکیوں میں

(ایک دیہاتی گیت)

فریادیٔ جفائے ایّام ہو رہا ہوں
پامالِ جورِ بختِ ناکام ہو رہا ہوں
سرگشتۂ خیالِ انجام ہو رہا ہوں
بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

بدنام ہو رہا ہوں
سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

سلمیٰ سے دل لگاکر، سلمیٰ سے دل لگا کر!

اس حور وش کے غم میں دنیا و دیں گنوا کر

ہوش و حواس کھو کر، صبر و سکوں لٹا کر

بیٹھے بٹھلائے دل میں غم کی خلش بسا کر

ہر چیز کو بھلا کر

سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

کہتی ہیں سب "یہ کس کی تڑپا گئی ہے صورت

سلمیٰ کی شاید اس کے من بھا گئی ہے صورت

اور اس کے غم میں اتنی مرجھا گئی ہے صورت

مرجھا گئی ہے صورت، کُمھلا گئی ہے صورت

سنولا گئی ہے صورت

سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

پنگھٹ پہ جب کہ ساری ہوتی ہیں جمع آ کر

گاگر کو اپنی رکھ کر گھونگھٹ اٹھا کر

یہ قصہ چھیڑتی ہیں مجھ کو بتا بتا کر

سلمیٰ سے باتیں کرتے دیکھا ہے اس کو جا کر

ہم نے نظر بچا کر

سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

راتوں کو گیت گانے جب مل کر آتی ہیں سب

تالاب کے کنارے، دھومیں مچاتی ہیں سب

جنگل کی چاندنی میں منگل مناتی ہیں سب

تو میرے اور سلمیٰ کے گیت گاتی ہیں سب

اور ہنستی جاتی ہیں سب

سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

کھیتوں سے لوٹتی ہیں جب دن چھپے مکاں کو

تب لاتے ہیں باہم وہ میری داستاں کو

دُہرا کے چھیڑتی ہیں، سلمیٰ کو، میری جاں کو

اور وہ حیا کی ماری سی لیتی ہے زباں کو

کیا چھیڑے اس بیاں کو
سلمیٰ سے دل لگا کر
بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

کہتی ہے رحم کھا کر یوں ایک ماہ طلعت
"یہ شہری نوجواں تھا کس درجہ خوبصورت
آنکھوں میں بس رہی ہے اب بھی وہ پہلی رنگت
دو دن میں آہ کیا سے کیا ہو گئی ہے حالت

اللہ تیری قدرت"
سلمیٰ سے دل لگا کر
بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

اک پوچھتی ہے آکر "تم بے قرار کیوں ہو
کچھ تو ہمیں بتادیں دل فگار کیوں ہو؟
کیا روگ ہے کہو تو، تم اشکبار کیوں ہو؟
دیوانے کیوں ہوئے ہو، دیوانہ وار کیوں ہو؟
باحال زار کیوں ہو؟"
سلمٰی سے دل لگا کر
بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں؟
اک شوخ چھیڑتی ہے اس طرح پاس آکر
"دیکھو وہ جارہی ہے سلمٰی نظر بچا کر
شرما کے، مسکرا کر، آنچل سے منھ چھپا کر

جاؤ نا پیچھے پیچھے، دو باتیں کر لو جا کر

کھیتوں میں چھپ چھپا کر،،

سلمٰی سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

گویا ہیں یوں حسد سے کچھ نازنیں نگاہیں

سلمٰی کی بھا گئی ہیں کیوں دل نشیں نگاہیں

ان سے زیادہ دلکش ہیں یہ حسین نگاہیں

القصہ ایک دل ہے سو خشمگیں نگاہیں

شوق آفریں نگاہیں

سلمٰی سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

اک شوخ تازہ وارد سسرال سے گھر آ کر
سکھیوں سے پوچھتی ہے جس دم مجھے بتا کر
"یہ کون ہے"، تو ظالم کہتی ہیں مسکرا کر
تم اس کا حال پوچھو سلمیٰ کے دل سے جا کر

یہ گیت اسے سنا کر
سلمیٰ سے دل لگا کر
بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

یہی وادی ہے وہ ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی

وہ اس وادی کی شہزادی تھی اور شاہانہ رہتی تھی

کنول کا پھول تھی، سنسار سے بیگانہ رہتی تھی

نظر سے دور مثلِ نکہتِ مستانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی

انھیں صحراؤں میں وہ اپنے گلے کو چراتی تھی

انھیں چشموں پہ وہ ہر روز منھ دھونے کو آتی تھی

انھیں ٹیلوں کے دامن میں وہ آزادانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی

کھنڈروں کے تلے وہ جو کھنڈر سے جھلملاتے ہیں

یہ سب ریحانہ کے معصوم افسانے سناتے ہیں

وہ ان کھنڈروں میں اک دن صورتِ افسانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی

تباہی کی ہوا اس خاکِ رنگیں تک نہ آئی تھی

یہ وہ خطہ تھا جس میں نو بہاروں کی خدائی تھی

وہ اس خطے میں مثلِ سبزۂ بیگانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی

برب کعبہ اس کی یاد میں عمریں گنوادوں گا

میں اس وادی کے ذرّے ذرّے پر سجدے بچھادوں گا

جہاں وہ جانِ کعبہ، عظمتِ بت خانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی

وہ اس ٹیلے پہ اکثر عاشقانہ گیت گاتی تھی

پُرانے سورماؤں کے فسانے گنگناتی تھی

یہیں پر منتظر میری وہ بے تابانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی

یہیں بستی تھی اے ہمدم، مرے رومان کی بستی

مرے افسانوں کی دنیا، مرے وجدان کی بستی

یہیں ریحانہ بستی تھی، یہیں ریحانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی

گداز عشق سے لبریز تھا قلبِ حزیں اس کا

مگر آئینہ دارِ شرم تھا روئے حسین اس کا
خموشی میں چھپائے نغمۂ مستانہ رہتی تھی

یہی وادی ہے وہ ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی

پیام دردِ دل اختر دئے جاتا ہوں وادی کو
سلام رخصتِ غمگیں کئے جاتا ہوں وادی کو

غزلیات

دلِ دیوانہ و اندازِ بے باکانہ رکھتے ہیں
گدائے میکدہ ہیں وضع آزادانہ رکھتے ہیں

مجھے میخانہ تھرّاتا ہوا محسوس ہوتا ہے
وہ میرے سامنے شرما کے جب پیمانہ رکھتے ہیں

بظاہر ہم ہیں بلبل کی طرح مشہور ہرجائی
مگر دل میں گدازِ فطرتِ پروانہ رکھتے ہیں

جوانی بھی تو اک موجِ شرابِ تند و رنگین ہے

بُرا کیا ہے اگر ہم مشربِ رندانہ رکھتے ہیں

کسی مغرور کے آگے ہمارا سر نہیں جھکتا!

فقیری میں بھی اختر غیرتِ شاہانہ رکھتے ہیں

شب کو پہلو میں جو وہ ماہ سیہ پوش آیا
ہوش کو اتنی خبر ہے کہ نہ پھر ہوش آیا

پھول بکھراتا ہوا، نکہتیں برساتا ہوا
وہ سمن رنگ و سمن بو و سمن پوش آیا

ماہ و انجم سے کہو زینتِ کاشانہ بنیں
کہ پھر آغوش میں وہ عشرتِ آغوش آیا

ان کا زانو تھا مرا سر، مرا دل ہاتھ، ان کا
بے خودی تیرا برا ہو مجھے کب ہوش آیا

دو گھڑی مل بھی گئی گر غمِ دنیا سے نجات
چٹکیاں لیتا ہوا دل میں غمِ دوش آیا

دل و دماغ کو رو لوں گا آہ کر لوں گا

تمہارے عشق میں سب کچھ تباہ کر لوں گا

اگر مجھے نہ ملیں تم، تمہارے سر کی قسم

میں اپنی ساری جوانی تباہ کر لوں گا

جو تم سے کر دیا محروم، آسماں نے مجھے

میں اپنی زندگی صرف گناہ کر لوں گا

ثواب کے لئے ہو جو گنہ وہ عین ثواب

خدا کے نام پر بھی اک گناہ کر لوں گا

حریم حضرت سلمیٰ کی سمت جاتا ہوں

ہوا نہ ضبط تو چپکے سے آہ کر لوں گا

کسی حسینہ کے معصوم عشق میں اختر

جوانی کیا ہے میں سب کچھ تباہ کر لوں گا

دلِ مہجور کو تسکین کا ساماں نہ ملا
شہرِ جاناں میں ہمیں مسکنِ جاناں نہ ملا

پوچھتے منزلِ سلمٰی کی خبر ہم جس سے
وادیٔ نجد میں ایسا کوئی انساں نہ ملا

یوں تو ہر راہ گزر پر تھے ستارے رقصاں
جس کی حسرت تھی مگر وہ مہِ تاباں نہ ملا

بے کسی، تشنہ لبی، دردِ حلاوت طلبی
چاندنی رات میں بھی چشمۂ حیواں نہ ملا

یوں تو ہر در پہ لپکتے نظر آئے دامن
کھینچتے ناز سے جس کو وہی داماں نہ ملا

درِ جاناں پہ فدا کرتے دل و جاں اخترؔ
وائے بر حالِ دل و جاں، درِ جاناں نہ ملا

محبت کی دنیا میں مشہور کر دوں

مرے سادہ دل تجھ کو مغرور کر دوں

مجھے زندگی دور رکھتی ہے تجھ سے

جو تو پاس ہو تو اسے دور کر دوں

محبت کے اقرار سے شرم کب تک

کبھی سامنا ہو تو مجبور کر دوں

تو گر سامنے ہو تو میں بے خودی میں

ستاروں کو سجدے پہ مجبور کر دوں

نہیں زندگی کو وفا ورنہ اختر

محبت سے دنیا کو معمور کر دوں

وہ کہتے ہیں رنجش کی باتیں بھلا دیں
محبت کریں، خوش رہیں، مسکرا دیں

جوانی ہو گر جاودانی تو یا رب
تری سادہ دنیا کو جنت بنا دیں

شبِ وصل کی بے خودی چھا رہی ہے
کہو تو ستاروں کی شمعیں بجھا دیں

وہ آئیں گے آج اے بہارِ محبت
ستاروں کے بستر پہ کلیاں بچھا دیں

بناتا ہے منھ تلخیٔ مے سے زاہد
تجھے باغ رضواں سے کوثر منگا دیں

تم افسانۂ قیس کیا پوچھتے ہو
ادھر آؤ ہم تم کو لیلیٰ بنا دیں

انھیں اپنی صورت پہ یوں ناز کب تھا
مرے عشقِ رسوا کو اخترؔ دعا دیں

کس کی آنکھوں کا لئے دل پہ اثر جاتے ہیں

میکدے ہاتھ بڑھاتے ہیں جدھر جاتے ہیں

دل میں ارمانِ وصال، آنکھ میں طوفانِ جمال

ہوش باقی نہیں جانے کا مگر جاتے ہیں

بھولتی ہی نہیں دل کو تری مستانہ نگاہ

ساتھ جاتا ہے یہ میخانہ جدھر جاتے ہیں

پاسبانانِ حیا کیا ہوئے اے دولتِ حسن

ہم چرا کر تری دزدیدہ نظر جاتے ہیں

پرسشِ دل تو کجا یہ بھی نہ پوچھا اُس نے
ہم مسافر کدھر آئے تھے، کدھر جاتے ہیں

فیض آباد سے پہنچا ہمیں یہ فیضِ اخترؔ
کہ جگر پہ لئے ہم داغ جگر جاتے ہیں

لے آئے انقلاب سپہرِ بریں کہاں

اللہ ہم کہاں وہ ثریا جبیں کہاں؟

در ہے نہ آستاں، نہ حرم ہے نہ بت کدہ

یارب مچل پڑی ہے ہماری جبیں کہاں؟

سورج کی سب سے پہلی کرن خوشنما سہی

لیکن تری نظر کی طرح دل نشیں کہاں؟

آنکھوں نے ذرے ذرے پہ سجدے لٹائے ہیں

کیا جانے جا چھپا مرا پردہ نشیں کہاں؟

کوثر پلا کے ہم سے نہ حوریں کریں مذاق

ہم رند تلخ نوش کہاں، انگبیں کہاں؟

سلمیٰ

بہارِ حسن کا تو غنچۂ شاداب ہے سلمیٰ
تجھے فطرت نے اپنے دستِ رنگیں سے سنوارا ہے
بہشتِ رنگ و بو کا تو سراپا اک نظارہ ہے
تری صورت سراسر پیکرِ مہتاب ہے سلمیٰ
ترا جسم اک ہجومِ ریشم و کمخواب ہے سلمیٰ
شبستانِ جوانی کا تو اک زندہ ستارا ہے
تو اس دنیا میں بحرِ حسنِ فطرت کا کنارا ہے
تو اس سنسار میں اک آسمانی خواب ہے سلمیٰ

جہانِ تقدس کا تو ایک نورانی فسانہ ہے
تجھے سلمٰی دیارِ ناز کی اک ساحرہ کہیے!
صنم آبادِ عفت کی مقدس کافرہ کہیے!
ربابِ حسن کا تو ایک الہامی ترانہ ہے
پرستانِ لطافت کی تو اک رنگیں کہانی ہے
جواں فطرت کا تو اک گمشدہ خوابِ جوانی ہے

تمناؤں کو زندہ آرزوؤں کو جواں کرلوں
یہ شرمیلی نظر کہہ دے تو کچھ گستاخیاں کرلوں
بہار آئی ہے بلبل دردِ دل کہتی ہے پھولوں سے
کہو تو میں بھی اپنا دردِ دل تم سے بیاں کرلوں
ہزاروں شوخ ارماں لے رہے ہیں چٹکیاں دل میں
حیا انکی اجازت دے تو کچھ بیباکیاں کرلوں
کسے معلوم کب کس وقت کس پر گر پڑے بجلی
ابھی سے میں چمن میں چل کر آباد آشیاں کرلوں
مجھے دونوں جہاں میں ایک وہ مل جائیں گر اختر
تو اپنی حسرتوں کو بے نیازِ دو جہاں کرلوں

ایک دیہاتی لڑکی کا گیت

ذیل کی نظم ریاست ٹونک (راجپوتانہ کے ایک گاؤں بھانچی کے قیام کی یادگار ہے۔ مصنف کا ہاتھ زخمی تھا اس لئے وہ تمام رات سو نہیں سکا۔
ع آنکھوں میں کٹ رہی ہے رات ساری، یہاں تک کہ علی الصباح۔۔۔

سنو یہ کیسی آواز آرہی ہے ۔۔۔ کوئی گاؤں کی لڑکی گا رہی ہے
سحر کے دھندلے دھندلے منظروں کو ۔۔۔ شرابِ نغمہ سے نہلا رہی ہے
اٹھی ہی شاید آٹا پیسنے کو ۔۔۔ کہ چکی کی صدا بھی آرہی ہے
غموں سے چور، اپنے ننھے دل کو ۔۔۔ ترانہ چھیڑ کر بہلا رہی ہے
فضا پر بستیوں پر جنگلوں پر ۔۔۔ دھواں دھار ایک بدلی چھا رہی ہے
چھما چھم مینھ کی بوندیں پڑ رہی ہیں ۔۔۔ کہ ساون کی پری کچھ گا رہی ہے
نئے بھیگے ہوئے سبزے کی خوشبو ۔۔۔ ہوا کے ساتھ اُڑ کر آرہی ہے

صبا کے مست جھونکوں کے اثر سے — خوشی سی دل میں امڈی جا رہی ہے
مگر ہے غم کی تاثیر اس خوشی میں — گزشتہ زندگی یاد آ رہی ہے
کوئی یاد آہ اک غم دیدہ سی یاد — سمے بچپن کے پھر دکھلا رہی ہے
گلِ خود رو، کی غم انگیز خوشبو — قریبی وادیوں سے آ رہی ہے
ہوا کی سرسراہٹ ہے کہ فطرت — پرانی زندگی دہرا رہی ہے
ادھر بادل کی خوف انگیز آواز — فضا کو نیند سے چونکا رہی ہے
یہ بادل کی گرج بجلی کا کڑکا — خدائی ساری لرزی جا رہی ہے
یہ بادل ہیں کہ ہیں ساون کے سینے — ہوا جن کو اڑا کر لا رہی ہے
یہ بجلی ہے کہ اک مرمر کی ناگن — دھوئیں کی جھیل پر لہرا رہی ہے
یہ بوندیں ہیں کہ بجلی آسماں سے — ستارے توڑ کر برسا رہی ہے
مگر وہ غم زدہ معصوم لڑکی — برابر گیت گائے جا رہی ہے
کچھ ایسا ناتواں نغمہ ہے گویا — کوئی ننھی کلی مرجھا رہی ہے
ہوا ٹھنڈی ہوا بھرتی ہے آہیں — فضا دھندلی فضا تھرا رہی ہے
گھروں پر کھیتیوں پر کیاریوں پر — اُداسی ہی اُداسی چھا رہی ہے
نہ جانے کیا اثر ہے اس صدا میں — کہ خود فطرت بھی بہکی جا رہی ہے

یہ گھر سسرال ہوگا شاید اس کا جبھی ماں باپ کی یاد آرہی ہے
جبھی مصروف ہے آہ و فغاں میں جبھی غم گین لے میں گا رہی ہے

"یہ برکھا رت بھی بیتی جا رہی ہے

ہوا جو گاؤں کو مہکا رہی ہے مرے میکے سے شاید آرہی ہے

یہ برکھا رت بھی بیتی جا رہی ہے

گھٹا کی اودی اودی چنریوں سے مری سکھیوں کی بو باس آرہی ہے

یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے

مجھے لینے نہ آئے اچھے بابل! تمھاری یاد آفت ڈھا رہی ہے

یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے

مری اماں کو ہو اس کی خبر کیا کہ چمپا اس جگہ گھبرا رہی ہے

یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے

نہ لی بھیا نے بھی سدھ بدھ ہماری جہاں سے چاہ اٹھتی جا رہی ہے

یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے

ہوا کی پنکھیا جھل جھل کے بجلی مرے من کی لگی بھڑکا رہی ہے

یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے

بھلا کیوں کر تھمیں آنسو کہ جی پر — اُداسی کی بدریا چھا رہی ہے

یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے

گیا پینگیں بڑھانے کا زمانہ — وہ امریوں پہ کوئل گا رہی ہے

"یہ برکھا رت بھی بیتی جا رہی ہے"

یونہیں وہ اپنی نغمگیں راگنی سے — در و دیوار کو تڑپا رہی ہے

سیاہی اڑتی جاتی ہے افق سے — عروسِ صبح بڑھتی آ رہی ہے

شوالے میں گجر بھی جاگ اُٹھا — ٹھنا ٹھن ٹھن کی آواز آ رہی ہے

کوئی چڑیا نکل کر گھونسلے سے — گھنے جنگل میں منگل گا رہی ہے

کوئی بکری کہیں کرتی ہے "مَیں مَیں" — کوئی بچھیا کہیں چلّا رہی ہے

مگر ان سب سے بے پروا وہ لڑکی — برابر گیت گائے جا رہی ہے

اُسے سُن سُن کے کب تک سر دھنو گے

بس اختر سو رہو نیند آ رہی ہے

وادیٔ گنگا میں ایک رات

کرتے ہیں مسافر کو محبت سے اشارے
اے وادیٔ گنگا ترے شاداب نظارے
یہ بکھرے ہوئے پھول یہ نکھرے ہوئے تارے
خوشبو سے مہکتے ہوئے دریا کے کنارے

یہ چاندنی رات اور یہ پُرخواب فضائیں
اِک موجِ طرب کی طرح بیتاب فضائیں
سبزے کا ہجوم اور یہ شاداب فضائیں
مہکے ہوئے نظارے ہیں، بہکے ہوئے تارے

یہ تارے ہیں یا نور کے میخانے ہیں آباد
معصوم وحسیں حوروں کے کاشانے ہیں آباد
مستانہ ہواؤں پہ پری خانے ہیں آباد
یا دامن افلاک میں بے تاب شرارے

مہتاب ہے یا نور کی خوابیدہ پری ہے
الماس کی مورت ہے کہ مندر میں دھری ہے
مرمر کی صراحی مۓ سیمیں سے بھری ہے
اور تیرتی ہے نیل کی موجوں کے سہارے

نیندوں میں ہیں کھوئی ہوئی بیدار ہوائیں
گلزار ہیں گل ریز گہر بار ہوائیں
ہیں نور میں ڈوبی ہوئی سرشار ہوائیں
یا بال فشاں مستیٔ نکہت کے نظارے

صحرا ہیں کہ خوابیدہ نظاروں کے شبستاں

دامن میں لئے چاندستاروں کے شبستاں

فردوس کی پر کیف بہاروں کے شبستاں

شاعر کو تمنّا ہے یہیں رات گزارے

وہ کہتے ہیں رنجش کی باتیں بھلادیں
محبت کریں خوش رہیں مسکرادیں

غرور اور ہمارا غرورِ محبت
مہ ومہر کو اُن کے در پر جھکادیں

شبِ وصل کو بیخودی چھارہی ہے
کہو تو ستاروں کی شمعیں بجھادیں

بہاریں سمٹ آئیں کھل جائیں کلیاں
جو ہم تم چمن میں کبھی مسکرادیں

بنا تا ہے منھ تلخیٔ مے سے زاہد
تجھے باغِ رضواں سے کوثر منگادیں

انھیں اپنی صورت پہ یوں ناز کب تھا

مرے عشقِ رسوا کو اخترؔ دعادیں

دنیا کی بہاریں

یہ دنیا، یہ نظارے اور یہ رنگینی فضاؤں میں
یہ جلوے چاند سورج کے یہ تابانی ستاروں کی
یہ نزہت لالہ زاروں کی، یہ رفعت کوہساروں کی
یہ بھینی بھینی آوارہ سی خوشبوئیں ہواؤں میں
یہ بھری بھری مستی جھومنے والی گھٹاؤں میں
یہ تیزی آبشاروں کی روانی جوئباروں کی
یہ پھولوں کا ہجوم اور یہ لطافت سبزہ زاروں کی
یہ موسیقی جو رقصاں ہے پرندوں کی صداؤں میں
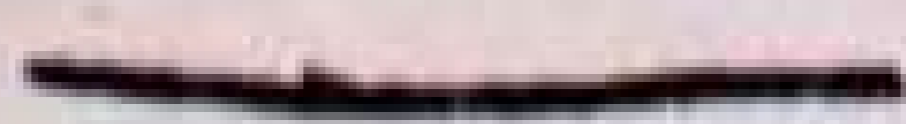
یہ نغمے، یہ ترانے، یہ شراب و شعر کا عالم
یہ آرائش مکانوں کی، یہ زیبائش مکینوں کی
یہ رعنائی حسینوں کی یہ صحبت نازنینوں کی
یہ عمریں یہ بہاریں، یہ شراب و شعر کا عالم
نہ لے جا خلد میں یارب! یہیں رہنے دے تو مجھ کو
یہ دنیا ہی تو جنت کی نہیں ہی آرزو مجھ کو

نہ سازِ مطرب نہ جام و ساقی نہ وہ بہارِ چمن ہے باقی
نگاہ شمعِ سحر کے پردے یہ نقشۂ انجمن ہے باقی
زمانہ گزرا وہ یاسمن بو جدا ہوئی ہم کنار ہو کر
مگر ابھی تک ہمارے پہلو میں نکہتِ یاسمن ہی باقی
زمانہ بدلا مٹی جوانی نہ وہ محبت نہ زندگانی
بس ایک بھولی سی یاد ہی جو برنگ داغِ کہن ہی باقی

جوگن

(ہندوستانِ قدیم کی ایک موسیقانہ رات کا تصوّر)

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے
موسیقیِ حزیں کے دریا بہا رہی ہے

غمگیں نوائیوں سے بیخود دبنا رہی ہے
دنیا کے ہر اثر کو دل سے مٹا رہی ہے

سوئی ہوئی فضا کا شانہ ہلا رہی ہے
ہر جنبشِ زباں سے مردے جلا رہی ہے

بیدار کر رہی ہے مدہوش گھاٹیوں کو
خوابیدہ ساحلوں کی نیندیں اُڑا رہی ہے

ہر لرزشِ صدا میں طوفاں اُمنڈ رہے ہیں
پنچم میں کیا رسیلی تانیں لگا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

اٹھکھیلیوں کا سن ہے، ہنس بولنے کے دن ہیں
لیکن نہ جانے کیوں وہ آنسو بہا رہی ہے

آئینہ رنگ سینہ کچھ کھل رہا ہے جس میں
دوشیزگی کی گنگا طوفاں اٹھا رہی ہے

اک گیروا سی ساری ہے جسم مرمریں پر
یا ہلکی ہلکی بدلی سورج پہ چھا رہی ہے

اک بحرِ یاسمیں پر لہرا رہی ہے ناگن ۔۔۔ یا اُس کی زلفِ مشکیں سینہ پہ آ رہی ہے
ہے اک ستار اُس کے آغوشِ نازنیں میں ۔۔۔ دو نازک انگلیوں سے جسکو بجا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

بنسرے پہ چاندنی کے بادل برس رہے ہیں ۔۔۔ یا کوئی حورِ جنت آنسو بہا رہی ہے
ہے موجزن فضا میں اک آبشارِ سیمیں ۔۔۔ یا ملکۂ پرستاں موتی لٹا رہی ہے
اک گردِ مرمریں ہے چھائی ہوئی افق پر ۔۔۔ جس کو ہوائے صحرا ہر سو اُڑا رہی ہے
اک موجِ گوہریں سی ہر پھول پر ہے رقصاں ۔۔۔ نغمے کی روحِ رنگیں جس میں سما رہی ہے
یا دن کے متبرے پر دوشیزۂ شب آ کر ۔۔۔ گلہائے نور کی اک چادر چڑھا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

فرشِ زمردیں پر کچھ پھول سو رہے ہیں ۔۔۔ نغمے کے پر کی جنبش جن کو جگا رہی ہے
جنگل مہک رہا ہے کلیاں چٹک رہی ہیں ۔۔۔ ہر تان میں الٰہی کیا گل کھلا رہی ہے
وادی میں موجزن ہے نغموں کا کیف لرزاں ۔۔۔ ہر پھول ہر کلی پر مستی سی چھا رہی ہے
اک نہر بہہ رہی ہے تھوڑے سے فاصلے پر ۔۔۔ گاتی ہوئی جو اپنی منزل کو جا رہی ہے

یا جل پری، روپہلی موجوں کے بربطوں پر — تاروں کے دیوتا کو نغمے سنا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

جنگل کے جانور کچھ بیٹھے ہیں اسکے آگے — رو رو کے جن کو اپنی بپتا سنا رہی ہے

خونخوار شیر بھی ہیں وحشی غزال بھی ہیں — لیکن وہ سب کے دل پر سکہ جما رہی ہے

کچھ سانپ جھومتے ہیں رہ رہ کے مست ہوکر — اک موجِ وجداں کی رگ رگ پہ چھا رہی ہے

طاؤس ناچتے ہیں یوں بیقرار ہو کر — گویا ہر ایک پر میں بجلی سما رہی ہے

ایسا سماں بندھا ہے غمگیں نوائیوں سے — رو رو کے جیسے فطرت طوفاں اٹھا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے

یہ موہنی بنی ہے کس کی لگن میں جوگن — یہ سیلِ درد کس کے غم میں بہا رہی ہے

ہاں شاید اس کی ننھی معصوم آتما میں — ہر کی پریم اگنی لو کے لگا رہی ہے

ہر بن میں ہر نگر میں، ہر گھر میں ہر ڈگر میں — پھر پھر کے اپنے من کی چنتا مٹا رہی ہے

یا ہر کی جستجو میں، یتیم کی آرزو میں — کاشی سے آ رہی ہے، متھرا کو جا رہی ہے

یا جگ کی آفتوں سے تنگ آ کے بین بجا کر — پرماتما کو اپنا دکھڑا سنا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

ہر لفظ میں چھپی ہے وحشت کی ایک دنیا دل کی ہر آرزو کو مجنوں بنا رہی ہے
اک آگ سی بھری ہے غمگین راگنی میں دیپک سنا سنا کر تن من جلا رہی ہے
روحانیت کے نغمے لب پر تڑپ رہے ہیں ملکِ ابد کی جانب سب کو بلا رہی ہے
پردہ سا اٹھ گیا ہے آنکھوں کے سامنے سے کیا جانے کس جگہ کے جلوے دکھا رہی ہے
کچھ سوز ہے بیاں میں، کچھ درد داستاں میں شعلے اُگل رہی ہے، چھریاں چلا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

دنیا سے ہو رہی ہے بیزار میری ہستی دل ہاتھ سے چلا ہے، جاں لب پہ آ رہی ہے
بتخانہ جبیں میں سجدے مچل رہے ہیں کافر ادا صنم ہے، کافر بنا رہی ہے
معمورِ نغمہ نوائی ہے ہر کلی کا دامن فیاضِ مطربہ ہے نغمے لُٹا رہی ہے
اک صوت سرمدی ہے ہر ذرے کی زباں پر موسیقیٔ ازل کے نغمے سُنا رہی ہے
ساری فضا پہ طاری ہے اک غبارِ ماتم گویا تمام وادی آنسو بہا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

اب نغمے سو گئے ہیں یا جا بھی تھک چلا ہے ‏ ‏ محشر اُٹھا چکی ہے ہمہ فتنے جگا رہی ہے

ایسی دبی صدا ہے، گویا عروسِ نغمہ! ‏ ‏ منھ پھیر کر ہوا سے دامن چھڑا رہی ہے

یا کچھ غنودگی کے عالم میں مست کوئل ‏ ‏ کلیوں کے راگنی سے دل گدگدا رہی ہے

کچھ کھل گیا ہے جیسے یا دل کوئی برس کر ‏ ‏ یا شمع جل جلا کر اب جھلملا رہی ہے

لو! وہ ستار کو بھی نیند آ گئی بغل میں! ‏ ‏ لو! وہ ستار اٹھا کر جنگل سے جا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل سے جا رہی ہے!

میں تو مگر کچھ ایسا محسوس کر رہا ہوں ‏ ‏ جیسے وہ ظالم ابتک ویسے ہی گا رہی ہے

ابتک فضا پہ ہے وہ کھویا ہوا سا عالم! ‏ ‏ اب تک افق پہ بکھیر مستی سی چھا رہی ہے

ابتک اٹھا رہا ہے ساز اُس کا ابر نغمہ ‏ ‏ ابتک زبان اس کی بجلی گرا رہی ہے

پھولوں سے ابتک اُسکے نغمے ٹپک رہے ہیں ‏ ‏ پتوں سے ابتک اُس کی آواز آ رہی ہے

ابتک میں سر جھکائے حیرت زدہ کھڑا ہوں ‏ ‏ ابتک وہی تجلی آنکھوں پہ چھا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

شعرا کے انتخابی سلسلے کا

پہلا سیٹ

اختر شیرانی	فیض	مجاز	مخدوم
جذبی	احمد ندیم قاسمی	آزاد	کیفی
عرش	وجد	مجروح	اثر

ہر انتخاب کی قیمت بارہ آنے ہے

انجمن ترقّی اردو (ہند) علی گڑھ

اصل نام محمد داود خاں ہے لیکن وہ شعر و
میں اختر شیرانی کے نام سے مشہور ہوئے
۱۹۰۵ء میں ریاست ٹونک (راجستھان)
میں پیدا ہوئے۔ اختر شیرانی کے والد
محمود خاں شیرانی اردو کے ممتاز
محقق اور عالم اور اورینٹل کالج لاہور
ںان"
تھے۔ اختر شیرانی نے ابتدائی تعلیم ٹونک میں پائی، مزید تعلیم کے لئے لا
اختر کا بیشتر زمانہ لاہور ہی میں گزرا۔ یہیں سے انہوں نے "بہارستان" "خیالستان"
اور "رومان" ماہانہ ادبی رسائل نکالے اور ۱۹۳۷ء میں جامع اللغات کی ادارت کی
ان کے کلام کے کئی مجموعے ان کی زندگی میں شائع ہو چکے تھے۔ اختر شیرانی رومانی
شاعر تھے۔ جدید اردو ادب میں ان کی اہمیت مسلم ہے۔ ۴۳ سال کی عمر میں
لاہور میں ۱۹۴۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔